© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شذرات

آزادی کے بعد مسلمانانِ پاکستان کی مذہبی سرگرمیاں بہت بڑھ گئی ہیں۔ اور اس کا اظہار اُن کی انفرادی و اجتماعی زندگی میں برابر ہوتا رہتا ہے۔ چنانچہ گزشتہ سالوں میں پاکستان کے ہر حصے میں کافی تعداد میں بڑی بڑی عالی شان اور خوبصورت مساجد تعمیر ہوئی ہیں۔ اعلیٰ پیمانے پر متعدد عربی و دینی مدارس قائم کئے گئے ہیں۔ مذہبی جماعتوں کا اثر و رسوخ روز افزوں ہے۔ اور ان کے ماننے والے کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے اسی حساب سے ان جماعتوں کی مالی حالت بھی بہتر ہو گئی ہے اور ان میں سے اکثر بڑے بڑے دارالعلوم بنا رہی ہیں۔ جمعے کے دن مساجد میں نمازیوں کی اتنی کثرت ہوتی ہے کہ مساجد کے باہر دور دور تک جگہیں بھر جاتی ہیں۔ علمائے کرام کی طرف لوگوں کا عام رجوع ہے، اور ان کے جلسوں میں وہ بڑی کثرت سے جاتے ہیں۔ مذہبی کتابیں خوب چھپتی ہیں، اور ان کی مانگ برابر بڑھ رہی ہے۔ الغرض ملک میں صنعتوں کے فروغ اور اس کے نتیجے میں شہروں کی زندگی میں تمام غیر مستحسن تبدیلیوں کے باوجود عام مسلمانوں کا شغف مذہب سے کم نہیں ہوا اور نہ کسی حلقے سے مذہبی سرگرمیوں کے لئے سرمائے کی کمی کی شکایت سننے میں آتی ہے۔ ملک کے صنعت کار، تاجر اور نئے آسودہ حال طبقے بالعموم مذہب میں عملی دلچسپی لیتے ہیں۔ اور مذہبی سرگرمیوں کے لئے حتی الوسع مالی امداد دینے میں تامل نہیں کرتے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مسلمانان پاکستان کی [illegible] سرگرمیوں کا ایک [illegible] اس کا دوسرا رُخ یہ ہے کہ وہ سکول، کالج اور یونیورسٹیاں جنہیں عام طور سے سرکاری کہا جاتا ہے، اور جن کی اب تک یہ خصوصیت تھی کہ ان کی چار دیواری کے اندر کسی مذہب کی تعلیم نہیں ہوسکتی تھی، ان کے نصاب میں مذہب اسلام اور اسلامیات ایک مستقل مضمون کی شکل میں داخل کر دیئے گئے ہیں۔ اور ان کی باقاعدہ تعلیم ہو رہی ہے۔ اب جب ان تعلیم گاہوں کے طالب علم شروع سے لے کر آخر تک ادب، ریاضی، سائنس اور معاشی و عمرانی علوم کے ساتھ ساتھ مذہب اسلام اور اسلامیات کی تعلیم حاصل کریں گے، تو ان کی زندگیوں اور پاکستان کی پوری قومی زندگی میں اس کے کتنے دُور رس اثرات ہوں گے۔ اور اس سے یہاں کے مسلمان عوام کی ذہنی و علمی دنیا میں کیا نتائج مرتب ہوں گے، اس کا ابھی سے صحیح اندازہ کرنا مشکل ہے بہرحال یہ واقعہ ہے کہ حکومت پاکستان اور اس کے محکمہ تعلیمات کا یہ اقدام ذہنی و علمی لحاظ سے ایک نئے دور کا دروازہ کھولنے کا باعث ہوگا۔ اور اس سے پاکستان کی مذہبی اور اس کے علاوہ عام زندگی میں بھی ایک بہت بڑی تبدیلی آئے گی۔

یہ اثرات اور نتائج تو اپنی واضح اور مثبت شکل میں کہیں دس پندرہ سال کے بعد سامنے آئیں گے۔ لیکن سرکاری تعلیم گاہوں میں اسلامیات کے مضمون کو نصاب تعلیم میں داخل کرنے کا فی الحال ایک نتیجہ یہ نکلا ہے کہ سکولوں اور کالجوں میں اس مضمون کو پڑھانے کے لئے اساتذہ کی ایک بڑی کافی تعداد کی ضرورت پیدا ہوگئی ہے، چنانچہ یونیورسٹیوں کے گریجوایٹ جوق در جوق اسلامیات اور اس سے متعلق مضامین میں ایم اے کرنے لگ گئے ہیں۔ اس کا جہاں ایک فائدہ یہ ہوا ہے کہ جدید علوم کے فارغ التحصیل اسلامی علوم پڑھنے لگے ہیں، وہاں اس سے یہ فائدہ بھی ہوا ہے کہ اسلامیات اور اس سے متعلق مضامین کے بارے میں سرکاری تعلیم گاہوں میں حقارت اور پستی کا جو احساس پایا جاتا تھا، وہ کم و بیش دُور ہوگیا ہے۔ اور ان مضامین کو بھی اسی قدر و منزلت کی نظر سے دیکھا جانے لگا ہے، جیسے دوسرے مضامین کو دیکھا جاتا تھا۔ نیز یونیورسٹی کے مرحلے میں ان مضامین

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا دائرہ تعلیم کافی وسیع کر دیا گیا ہے۔ اس میں اسلام کے ساتھ دوسرے مذاہب کا مطالعہ بھی نصاب میں داخل ہے۔ اور مذہب اسلام کے ساتھ ساتھ اسلامی تہذیب و ثقافت بھی شاملِ درس ہے

عہد حاضر میں ہم مسلمانوں کی علمی و فکری زندگی میں سب سے بڑا خلاء یہ تھا کہ وہ لوگ جو جدید علوم پر عبور رکھتے تھے، وہ بالعموم اسلامی علوم سے نابلد ہوتے تھے۔ اور جن لوگوں کو اسلامی علوم میں درک ہوتا تھا، وہ جدید علوم سے بے بہرہ رہتے تھے، اور اس طرح تعلیم یافتہ مسلمان دو گروہوں میں بٹ گئے تھے اور ان میں ایک دوسرے سے مغائرت بلکہ منافرت تک پائی جاتی تھی، جس کا ہماری قومی زندگی پر بہت بڑا اثر پڑ رہا تھا۔ سرکاری تعلیم گاہوں میں اسلامیات کے بحیثیت ایک مضمون کے داخل ہونے سے اس خلا کا پُر ہونا ممکن ہو گیا ہے۔ اب ہماری یونیورسٹیوں سے ایسے اصحاب فارغ التحصیل ہونے لگے ہیں، جنہوں نے اسلامیات اور اس سے متعلق مضامین میں ایم اے کیا ہو۔ چونکہ ان مضامین کو پڑھانے والے اساتذہ کی ضرورت سرکاری تعلیم گاہوں میں روز بروز زیادہ ہوتی جائے گی۔ اس لئے یونیورسٹیوں سے ایسے فارغ التحصیل ہونیوالے اصحاب کی تعداد میں بھی بتدریج اضافہ ہوگا۔ اور زیادہ سے زیادہ لوگ ان مضامین کی طرف توجہ کریں گے۔

خوشی کی بات یہ ہے کہ اس خلاء کو صرف ایک طرف سے ہی پُر کرنے کی کوششیں نہیں ہو رہیں۔ اب عربی و دینی مدارس کے بھی بہت سے ایسے فارغ التحصیل ملتے ہیں، جنہوں نے ان مدارس میں درس نظامی کی تکمیل کے بعد انگریزی پڑھی، اس کے امتحان دیئے۔ اب ان میں سے کئی بی اے اور ایم اے ہیں۔ اور سرکاری درس گاہوں میں اسلامیات کی تعلیم دے رہے ہیں۔ اس سے بھی زیادہ خوش آیند بات یہ ہے کہ وہ عربی و دینی مدارس جو زیادہ تر عام چندوں سے چلتے ہیں اور ان کے مہتمم و کارپرداز اکثر علماء ہیں، ان کی یہ کوشش ہے کہ وہ عربی و دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ جدید علوم کی تعلیم کا بھی انتظام کریں اور ان کے ہاں سے صرف دینی علوم جاننے والے علماء ہی نہ نکلیں، بلکہ میٹریکولیٹ اور گریجوایٹ بھی فارغ التحصیل ہوں۔ چنانچہ عربی و دینی مدارس کے یہ مہتمم علمائے کرام ان مدارس کے ساتھ ساتھ ہائی اسکول اور

© rasailojaraid.com

کالج بھی قائم کر رہے ہیں۔ اور ایک ہی تعلیمی بستی یا بلدۃ العلم میں عربی و دینی تعلیم بھی دی جا رہی ہے۔ اور نئی تعلیم بھی۔ اور اس کے منصرم و مہتمم علماء کرام ہیں۔ یہ رجحان اب برابر بڑھ رہا ہے اور علماء میں جدید تعلیم کی ضرورت اور اہمیت کا احساس بہت زیادہ ہو گیا ہے اور کئی جگہوں میں عربی و دینی مدارس کے پہلو بہ پہلو ہائی سکول اور کالج کھل رہے ہیں۔

یہ کتنا بڑا انقلاب ہے، اس کا اندازہ صرف وہی لوگ لگا سکتے ہیں، جنہیں معلوم ہے کہ ایک زمانے میں عربی و دینی مدارس میں نئی تعلیم کے بارے میں کیا جذبات ہوتے تھے، اور علماء نئی تعلیم پائے ہوؤں کو کس نظر سے دیکھتے تھے۔ اب ان سالوں میں قدیم و جدید کا بُعد جس طرح آہستہ آہستہ ختم ہو رہا ہے۔ اور عربی و دینی تعلیم اور نئی تعلیم جیسے بتدریج ایک دوسرے کے قریب آ رہی ہیں، وہ ہمارے مستقبل کے لئے ایک بڑی اچھی فال ہے، اور اس سے یقیناً قومی زندگی کی فلاح و بہبود کے لئے بڑی توقعات ہو سکتی ہیں

یہ تو ہماری وہ مذہبی سرگرمیاں ہوئیں، جنہیں ہر شخص خواہ وہ کسی عقیدے اور خیال کا ہو مستحسن کہے گا۔ اور ان کا دل سے خیر مقدم کرے گا، لیکن بدقسمتی سے ان کے ساتھ ساتھ ان سالوں میں پاکستان میں ایسی سرگرمیاں بھی زور پکڑ گئی ہیں۔ جنہیں مذہبی کہا جاتا ہے۔ حالانکہ وہ حقیقت میں مذہبی نہیں ہیں۔ اور وہ سرگرمیاں ہر اعتبار سے غیر مستحسن ہیں۔ ان سے اسلام کے مقدس نام پر بھی حرف آتا ہے۔ پاکستان کو بھی ضعف پہنچتا ہے۔ اور ہم مسلمانوں کی جگ ہنسائی بھی ہوتی ہے، پھر یہ فرقہ وارانہ سرگرمیاں خود ان فرقوں کے لئے بھی نقصان دہ ہیں۔ جن کے بعض افراد ان کا ارتکاب کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کی وجہ سے ملک کے سمجھدار طبقے ان سے بدظن ہو رہے ہیں۔ اس ضمن میں ہمارے سامنے اس وقت سب سے بڑا سوال یہ ہے کہ آزادی کے بعد اس ملک میں مذہب اسلام کی تجدید اور نشاۃ ثانیہ کی جو زبردست لہر اٹھتی ہے اور جس کا اظہار جیسے کہ اوپر ذکر ہوا مختلف صورتوں میں ہو رہا ہے اسے کس طرح فرقہ وارانہ کشمکش کے غیر مستحسن عناصر سے پاک رکھا جائے۔ تاکہ اسلام اس ملک کی قوت و استحکام کی اساس اور اس ملک میں بسنے والے

© rasailojaraid.com

عوام کی اخلاقی و روحانی زندگی کا سہارا بن سکے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس مملکت کا وجود مسلمانان پاک و ہند کے شعورِ اسلامی کا رہینِ منت ہے اور اس کی سالمیت و وحدت کا تمام تر انحصار اس کے عوام میں اسی شعور کے نشو و نما و بقا پر ہے۔ اب اگر یہی شعور خدانخواستہ مسلمانوں میں تفرقہ و منافرت کا باعث بنتا ہے، اور اس کے عملی مظاہر فرقہ وارانہ فسادات کی شکل اختیار کرتے ہیں، تو پھر اس ملک کا اور ہم مسلمانوں کا خدا ہی حافظ ہے۔

اِسلام ایک مخصوص فرقے کا مذہب نہ ہو کہ وہ اس فرقے تک ہی محدود ہو کر رہ جائے۔ وہ کُل مسلمانوں کا مشترکہ مذہب ہو۔ بلکہ دین اسلام میں جو عمومیت اور عالمگیریت ہے، اور جو اُسے صحیح معنوں میں دینِ انسانیت کا مصداق بناتی ہے۔ اس کا بھی اثبات ہو، نظری اعتبار سے بھی اور عملاً بھی آج اس کی ضرورت ہے اور بڑی اشد ضرورت ہے۔ بے شک یہ تین مراحل اپنی اپنی جگہ ایک حقیقت ہیں۔ اور ان میں سے کسی ایک کا اقرار باقی دو کے انکار کا مستلزم نہیں ہونا چاہیئے۔ ہمارا اگر ایک مذہبی فرقے یا فقہی مذہب سے تعلق ہے، تو اس میں کوئی حرج نہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہم اپنے آپ کو امت اسلامیہ کا ایک حصہ بھی سمجھیں۔ اور پھر ہمارے سامنے یہ حقیقت بھی رہے کہ ہم بنی نوع انسان کا ایک گروہ ہیں۔ یہ تینوں چیزیں ایک دوسرے کی ضد نہ ہوں۔ اور ہم ان کو اپنے اسلامی شعور کے اندر سمو ئیں۔

اسلامی تاریخ کے اس ساڑھے تیرہ سو سال کے عرصے میں مسلمانوں میں مختلف مذہبی فرقوں اور فقہی مذاہب کا پیدا ہو جانا کوئی ایسی اَن ہونی بات نہیں۔ جس پر بہت زیادہ ماتم کیا جائے، ہر مذہب، ہر فلسفے اور ہر نظریے کو انسانوں نے وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ ایک سے کئی شعبوں اور شاخوں میں تقسیم کر دیا ہے، یہ تاریخ کا ایک فطری عمل ہے اور وحدت اسی طرح کثرت میں منقسم ہوتی رہتی ہے۔ اسلام کو بھی قدرتاً ان مراحل سے گزرنا پڑا۔ اور اس کی تاریخ کے مختلف ادوار میں متعدد مذہبی فرقے اور فقہی مذاہب وجود میں آئے جن میں آپس میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کافی آویزش بھی رہی اور اس کی وجہ سے خود انہیں اور بحیثیت مجموعی تمام مسلمانوں کو ناقابل نقصان پہنچا یہ ملی تاریخ کا ایک رنجدہ باب ہے اور اس پر جتنا بھی افسوس کیا جائے کم ہے۔

ان مذہبی فرقوں اور فقہی مذاہب کا وجود اب ایک حقیقت ہے، اور ان کے پیدا ہونے کا آنے کے اپنے تاریخی اسباب تھے۔ اور جیسا کہ حجۃ اللہ البالغہ میں شاہ ولی اللہ نے لکھا ہے۔۔۔۔ "عالم میں وہی چیز موجود ہوتی ہے اور وہی چیز وجود میں آتی ہے جو وجود میں آنے کے زیادہ مستحق ہوتی ہے" اس ضمن میں ایک تو یہ بات ہمارے سامنے رہنی چاہیئے، اور دوسری یہ کہ ہماری پوری تاریخ اس کی شاہد ہے کہ کسی فرقے یا فقہی مذہب کو تشدد سے مٹایا نہیں جا سکا۔ اور تمام سختیوں کے باوجود وہ کسی نہ کسی شکل میں موجود رہا بلکہ تشدد کا اثر الٹا نکلا۔ لا اکراہ فی الدین کی اسی لئے تلقین کی گئی ہے اور آج - CO-EXISTENCE پُرامن بقائے باہمی پر اسی ضرورت کے ماتحت اس قدر زور دیا جا رہا ہے۔ اس معاملے میں اصل چیز کسی مذہبی فرقے یا فقہی مذہب کے وجود کا سرے سے انکار نہیں بلکہ اس کی صحیح حیثیت کا تعین کرنا ہے۔ یعنی ایک مسلمان کا کسی فرقے سے تعلق رکھنا بعد میں آتا ہے۔ پہلے وہ مسلمان ہے اور ایسا مسلمان جو اسلام کی عمومیت اور عالمگیریت کو سب سے مقدم سمجھتا ہے آج اس فرق مراتب کی ضرورت ہے اور اسی کی اساس پر اس دور میں اسلام کی صحت مند تجدید اور نشاۃ ثانیہ ہو سکتی ہے۔

یہ اکیڈمی جس بزرگ کے نام نامی سے منسوب ہے، ہمارے نزدیک اس دور آخر میں اسی فکر کے حامل اور اسی دعوت کے علم بردار تھے۔ وہ اپنی تعلیمات میں سب سے زیادہ اہمیت ہمہ گیر انسانیت کے عمومی اصول و مبادی کو دیتے ہیں اور پھر ان پر اسلام کے نظام کی تطبیق کرتے ہیں۔ وہ مسلمانوں کے مذہبی فرقوں اور فقہی مذاہب کے وجود کا انکار نہیں کرتے بلکہ جس ماحول اور تاریخی پس منظر میں ان کا وجود ناگزیر ہوا۔ اس پر وہ روشنی ڈالتے ہیں انہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس نقطۂ نظر سے سمجھنے کی دعوت دیتے ہیں۔ اور ساتھ ساتھ یہ بھی بتاتے جاتے ہیں کہ اصل چیز اسلام کے عمومی اصول ہیں، جن کی بنیاد پوری انسانیت کے مصالح عامہ ہیں۔ اور یہ فرقے اور فقہی مذاہب مختلف احوال و ادوار میں ان کی عملی تعبیریں ہیں۔ اب ایک طرف ان عمومی اصولوں کی عالمگیریت اور ہمہ گیریت ہے، اور دوسری طرف مختلف احوال و ادوار میں ان کی گئی عملی تعبیروں کی محدودیت ہے ہمیں ان دونوں کو پیش نظر رکھنا چاہیئے اور دونوں میں ہم آہنگی پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے

شاہ ولی اللہ صاحب نے اگرچہ ایک جگہ ارباب تصوف کے متعلق لکھا ہے لیکن وہی بات ان مذہبی فرقوں اور فقہی مذاہب پر بھی صادق ہوتی ہے۔ اور وہ یہ کہ "اُن بزرگوں کے ہر طبقے کے اقوال اور احوال کو ان کے زمانے کے ذوق کے مطابق جانچنا چاہیئے" آج ہم استاریخی تجزیہ کہتے ہیں۔ ضرورت اِس وقت اس انداز فکر کو پیدا کرنے کی ہے، جس کی شاہ صاحب نے اپنے دور میں نشان دہی کی تھی۔ اس انداز فکر کو اب اور آگے بڑھانا چاہیئے اور اسے اِس زمانے کے معیاروں کے مطابق جو کہ آج پوری انسانیت کے مصالح عمومی کے متقاضی ہیں، بنانا چاہیئے۔

مسلمان فرقوں میں باہم محبت و مودّت اور اِس ملک میں اسلام کے مستقبل کا تمام تر دارو مدار ہمارے نزدیک اسی پر ہے۔

"الرحیم" کے پہلے شمارے کو ملاحظہ فرمانے کے بعد متعدد کرم فرماؤں نے رسالے کے متعلق اپنے تاثرات بھیجے ہیں اس سلسلے میں ہم ان حضرات کی خدمت میں یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ "الرحیم" کا مقصد فکر ولی اللہی کو ایک نامی فکر کی حیثیت سے پیش کرنا ہے۔ اور ہر عظیم فکر کی طرح اس فکر میں بھی لازمانی اور ہمہ گیر حصّے کے ساتھ ساتھ ایک زمانی و زمینی حصّہ بھی ہے، ایک زندہ و نمو پذیر فکر زمانے کے ساتھ ساتھ تجدید وارتقاء کی منازل طے کرتا ہے۔ "الرحیم" میں شاہ صاحب کی تعلیمات کو اس طرح پیش کرنے کی انشاءاللہ پوری کوشش ہوگی۔

ہمیں رجسٹرڈ نمبر مل گیا ہے۔ اگست سے پرچہ ہر ماہ کی سات تاریخ کو پوسٹ ہو جایا کرے گا

© rasailojaraid.com